رخسانہ بلوچ
اسسٹنٹ پروفیسر،شعبۂ اردو
جی سی ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

راشد کا علامتی نظام

Noon Meem Rashid is the gigantic personality of the modern Urdu poem in the 20th century. He enervates the Urdu poem with many new facts. His poems have a beautiful blend of thought and matchless art. The greatness of Rashid's poetry draws upon his distinct, novel and exquisite use of lexis with stylistic variations. Rashid has used these artistic attributes in his poetry in his own peculiar manner. His poetry, definitely, is an amalgam of both art and creativity. His poetry transmits meaning elaborately and succinctly. This research article will explain the symbolic aspects of Rashid's poetry.

کوئی بھی تخلیقی فن پارہ مختلف چیزوں سے متصف ہوکر ایک مخصوص پیکر میں ڈھلتا ہے جس کی بدولت اس کی معنویت تہہ در تہہ اور آفاقی ہوتی ہے۔ایک خلاقی ذہن دورانِ تخلیق ان سب چیزوں کو پیش نظر رکھتا ہے جس سے اس کے کلام/تخلیق کی انفرادیت نمایاں تر ہوتی ہے۔کسی بھی چیز کی ترتیب وتزئین اس کے ذوق کی آئینہ داری ہوتی ہے۔اس تناظر میں دیکھا جائے تو شاعری بھی مختلف اوصاف کی وجہ سے خوب صورت ہوتی ہے۔ یہ اوصاف اس کے رموز وعلائم بھی ہوتے ہیں اور صنعتی نظام بھی۔

علامت کسی بھی تخلیقی فن پارے کی معنویت کو کھولتی ہے اور اس کے جہانِ معنی کے نکھار میں مزید اضافے کا باعث بنتی ہے۔ اردو شاعری میں علامت نگاری مختلف شاعروں کے ہاں مختلف انداز میں نظر آتی ہے۔ اقبال کے ہاں علامات اسلامی تناظر میں ملتی ہیں۔ میرا جی کے ہند اساطیر کے پس منظر میں، فیض کے ہاں یہ علامات انقلاب کی صورت گری کرتی ہے اور راشد کا علامتی نظام ایک مختلف نوعیت کا حامل ہے۔ راشد کے علامتی نظام پر گفتگو کرنے سے قبل ضروری ہے کہ علامت کے معانی ومفاہیم سے آگاہی حاصل کر لی جائے۔

''علامت'' ادب کی ایک اہم اور درخشاں خوبی ہے۔اس سے شعروسخن میں نکھار آتا ہے۔ علامت کے ذریعے وہ بات بھی کہی جاسکتی ہے جو عام طور پر ایک ادیب ہزار کوشش سے بھی نہیں کہہ سکتا۔ علامت سے مراد ایسی بات کہی جائے جس کے دوسرے معنی مراد لیے جائیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر کا کہنا ہے:

> علامت سازی ذہن کے اس پُر اسرار عمل سے وابستہ ہے جس کی تخلیقی عمل کی مانند دوٹوک اسلوب میں صراحت نہیں کی جاسکتی۔ ہاں اُسے تخلیقی عمل کے وسیع کُل کا ایک جزو قرار دیا جاسکتا ہے۔ بظاہر علامت استعارہ سے مشابہہ نظر آتی ہے لیکن استعارہ کے مقابلہ میں یہ زیادہ گہرائی کی حامل ہوتی ہے۔ خواب جوانی کی مانند علامت کی بھی متعدد تشریحات کی گئی ہیں جن کا لب لباب یہ ہے کہ جذبہ، کیفیت، وقوعہ، حادثہ، شخص، فطرت، تصور کی تشریح اور تفہیم کے لیے ایسا لفظ استعمال کرنا جو اس کی جملہ خصوصیات کی نمائندگی کا حق ادا کر سکے۔[1]

J.A. Cuddon کہتے ہیں:

> The word symbol derives from the Greek verb *symballein*, 'to throw together', and its noun *symbolon*, 'mark', 'emblem', 'token' or 'sign'. It is an object, animate or inanimate, which represents or 'stands for' something else. As Coleridge put it, a symbol is characterized by a translucence of the special[i.e. the species] in the individual'. A symbol differs from an allegorical sign in that it has a real existence, whereas an allegorical sign is arbitrary.[2]

ڈاکٹر انیس اشفاق نے علامت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> علامت سے مراد وہ بیان ہے جس کے ذریعہ جو کہا جائے اس سے کچھ زیادہ اور کچھ الگ معنی مراد لیے جائیں۔ علامت ہمارے ذہن کو معانی کی کئی جہتوں کی طرف منتقل کرتی ہے اور اس کی خوبی یہی ہے کہ یہ ان میں سے ہر جہت کے لیے موزوں قرار پائے۔[3]

راشد کے ہاں علامت نگاری کا ایک جہان آباد ہے جس میں ایک نئی معنویت ہے۔ یہ صورتِ حال دراصل جدید اردو نظم کے تناظر میں ہے۔ کیوں کہ جدید اردو نظم بیسویں صدی کے موضوعات کا حامل ہے۔ فرد کی تنہائی، انتشارِ ذات، تغیراتِ زمانہ اور دیگر موضوعات کی حامل اس صدی کے اثرات شاعری پر بھی مرتسم ہوئے۔ راشد نے اس سے موضوعات کشید کیے اور اسے اپنی نظم گاہ میں سجا دیا۔

راشد کے ہاں علامتوں کی مختلف کیفیات ہیں۔ جنھیں اُس نے پوری فنی چابک دستی سے استعمال کیا ہے۔ اس سلسلے میں عنبرین منیر کلامِ راشد میں موجود علامتی نظام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم یہ کہ کسی

ایک نظم میں مختلف علامتوں کا استعمال اور دوسری قسم کسی ایک علامت کا پوری نظم میں استعمال راشد کے فن سے آگاہی کا بیّن ثبوت ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

> راشد کی نظموں میں جو علامتیں اور اشارے ملتے ہیں انھیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جس میں راشد کسی ایک نظم میں مختلف علامتیں اور اشارے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری قسم ایک ایسی اہم علامت کی ہے جو پوری نظم میں چلتی ہے۔ یعنی مختلف تلازموں کے ذریعے راشد ایک علامت کو پھیلاتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ پوری نظم پر چھا جاتی ہے۔[۴]

کلامِ راشد کا معتد بہ حصہ علامات سے مزین ہیں۔ راشد کی شاعری میں ''سبا اور سلیماں''، ''نمرود'' اور ''سومنات'' کا تعلق تاریخ سے ہے۔ ''سبا'' یمن کا ایک شہر ہے جو حضرت سلیمانؑ کی ہم عصر بلقیس کا علاقہ ہے۔)''نمرود'' استعمار کی علامت، جب کہ ''سومنات'' میں راشد نے استعماری طاقتوں کو آشکار کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ ان تینوں علامتوں کا تعلق تاریخ سے ہے۔ یہ تاریخ مختلف خطوں سے متعلق ہے۔

علاماتِ راشد میں سے ایک اہم ترین علامت ''آگ'' بھی ہے جسے راشد نے کثرت سے برتا ہے۔ اُن کے تمام مجموعوں میں یہ علامت استعمال ہوئی ہے۔ اُن کی شاعری میں اس قدر آگ اور اس سے وابستہ تلازمات انسان کے تہذیبی لاشعور میں تحرک پیدا کرتے ہیں۔ راشد آگ کو تخلیقیت کا استعارہ سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ شفافیت کی علامت بھی ہے۔ شاید اسی لیے راشد نے اسے اپنے لیے منتخب کیا اور اپنے آپ کو نذرِ خاک کرنے کے بجائے نذرِ آتش کرنا زیادہ مناسب سمجھا اور اس طریقے کو صاف موت قرار دیا۔

اور یہ آگ کی کشش ہی تھی جو راشد کو کشاں کشاں لندن کے کریمیٹوریم لے گئی اور جدید اردو نظم کا جدید ترین اور بنیاد گزار نظم نے اپنے آپ کو آگ میں تحلیل کر دیا:

آگ آزادی کا، دلشادی کا نام
آگ پیدائش کا، افزائش کا نام
آگ کے پھولوں میں نسریں، یاسمن، سنبل، شفیق ونسترن
آگ آرائش کا، زیبائش کا نام
آگ وہ تقدیس، دھل جاتے ہیں جس سے سب گناہ

آگ انسانوں کی پہلی سانس کے مانند اک ایسا کرم
عمر کا اک طول بھی جس کا نہیں کافی جواب!
یہ تمناؤں کا بے پایاں الاؤ گر نہ ہو
اس لق ودق میں نکل آئیں کہیں سے بھیڑیئے
اس الاؤ کو سدا روشن رکھو!
(ریگِ صحرا کو بشارت ہو کہ زندہ ہے الاؤ،
بھیڑیوں کی چاپ تک آتی نہیں!)[۵]

راشد کے ہاں آگ کے ساتھ ساتھ کچھ دیگر علامتیں بھی موجود ہیں۔ جیسے زندگی کو انھوں نے ایک پیرہ زن (بوڑھی عورت) قرار دیا ہے جو نہایت خستہ حالی میں گلیوں میں پرانی دھجیاں اکٹھی کر رہی ہے:

_____ زندگی اک پیرہ زن!
جمع کرتی ہے گلی کوچوں میں روز وشب پرانی دھجیاں!
تیز، غم انگیز، دیوانہ ہنسی سے خندہ زن
بال بکھرے، دانت مَیلے، پیرہن
دھجیوں کا ایک سونا اور ناپید کراں، تاریک بن![۶]

مرد اساس معاشرے میں عورت کی حیثیت ثانوی ہے۔ اس نظم میں بھی مرد کے بجائے ایک عورت ہی کا کردار تخلیق کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیر کہتے ہیں:

> عورت کو سماج نے بالعموم اپنے حاشیے پر جگہ دی ہے۔ عورت کے ساتھ، مرد معاشرے نے وہی سلوک کیا ہے جو مقتدر قوتوں نے محکوموں، غلاموں اور منحرفین کے ساتھ روا رکھا۔ عورت کی کم زوری اور نسوانیت کے بیش تر تصورات سماجی تشکیلات ہیں۔ یعنی وہ عورت کی فطرت کے عکس ریز ہونے کے بجائے سماج کی مرکزی قوتوں کی ترجیحات کے زائیدہ ہیں۔ دھجیاں جمع کرنا دراصل وہ معمولی اور ادنیٰ افعال ہیں، جن کی ادائی پر عورت کو مجبور رکھا گیا ہے تاکہ اسے شعور ذات حاصل

نہ ہو۔ کسی بھی فرد کو شعور ذات سے محروم رکھنے کا اس سے بہت رکوئی حربہ نہیں کہ اسے ادنیٰ اور حقیر کام پر لگا دیا جائے۔ ۷

کلامِ راشد میں دیگر علامتوں کی طرح ''آئینہ'' کی علامت بھی پورے آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اس میں راشد نے آئینہ کے معنی و مفہوم کو بالکل ایک انداز میں استعمال کر کے اس کی معنویت میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا ہے۔ وہ اپنی نظم ''آئینہ حس و خبر سے عاری'' میں کہتے ہیں کہ دل بھی ایک آئینے کی طرح شفاف ہوتا ہے۔ آئینے کو دل سے تشبیہ دے کر اسے مزید وسعت دے دی ہے۔ لیکن راشد کے ہاں ''آئینہ'' ایک اساطیری علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

راشد نے آئینہ کو ایک ایسی علامت کے طور پر لیا ہے جو اپنی شفافیت کھو بیٹھا ہے۔ صوفیا کے ہاں دل کو آئینہ قرار دیا گیا ہے جس سے دل کی کیفیات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں راشد نے آئینے کی علامت کو ایک مختلف پیرائے میں بیان کر کے اپنے فن کا لوہا منوایا ہے۔ راشد کے ہاں یہ اساطیری حوالے اُس ایرانی مطالعات کے ضمن میں آئے ہیں جسے راشد کے ہاں ایک بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

آئینہ حس و خبر سے عاری،
اُس کے نابود کو ہم ہست بنائیں کیسے؟
منحصر ہست تگاپوے شب و روز پہ ہے
دلِ آئینہ کو آئینہ دکھائیں کیسے؟
دلِ آئینہ کی پہنائیِ بے کار پہ ہم روتے ہیں،
ایسی پہنائی کہ سبزہ ہے نمو سے محروم
گلِ نورستہ ہے بُو سے محروم! ۸

راشد کے ہاں دیگر علامات کے ساتھ ساتھ 'خدا' کو بھی ایک علامت کے طور پر لیا گیا ہے۔ راشد نے خدا کو ایک ایسے پیکر میں دکھایا ہے جو ''تضادات'' کا شکار ہے۔ یہ تضادات مشرق اور مغرب کے حوالے سے ہیں۔ راشد کے نزدیک مشرق کا خدا کوئی اور ہے جب کہ مغرب کا خدا کوئی دوسرا ہے۔ اس کے علاوہ خدا کو تحرک کی علامت کے طور پر بھی لیا گیا ہے جو خیر کا حلیف ہے اور شر کا حریف۔

خدا سے طنزیہ انداز میں طرزِ تخاطب ہونا اردو شاعری کی روایت میں ویسے تو موجود ہے لیکن راشد نے اس حوالے سے ایک نیا پیرایۂ خیال منتخب کیا ہے۔

خدا کا جنازہ دکھانا ایک اچھوتا خیال ہے۔ اس پر عام طور پر سب سے پہلے تو یہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں خدا سے مراد استعمار ہے جس کے دن گنے جا چکے ہیں لیکن یہ ایک عام سی تعبیر ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مغرب اور مشرق کے حوالے سے خدا کے مختلف تصورات بہت سے سوالات کو جنم دیتے ہیں:

> راشد کے ہاں خدا کے تصور پر کیا گیا طنز محض انسان کو ان مخصوص مابعد الطبیعیات نظریات سے آگے لے جانے کی کاوش تھا جنھوں نے اسے تصوف کے خرابوں کا مکیں بنا کر مٹی کے مادھو میں تبدیل کر دیا تھا۔ اقبال نے انسان کے ہاں جس خودی کی بیداری کو بیداریٔ کائنات کے مماثل ٹھہرایا تھا، راشد کے ہاں وہی خودی اجتہاد کی بجائے کسی حد تک بغاوت سے مملو ہوگئی تھی۔ راشد بھی اقبال کی طرح انسان کی خفتہ صلاحیتوں کی باز آفرینی کر کے، اُسے ایک ایسے فرد کا روپ دینا چاہتے تھے جو تاریخ انسانی کا دھارا فلاح، امن اور آشتی کی طرف موڑے اور انہدام پذیر قدروں سے ایک نئے جہان کی نمود کرے۔[۹]

ایک اور نظم میں راشد نے خدا کی علامت کو ایک مختلف زاویے سے پیش کیا کیا ہے۔ یہاں پر خدا کو 'بے کار' خدا قرار دیا ہے۔ اس 'بے کاری' کی معنویت کو دیکھا جائے تو یہ تہہ در تہہ معنویت کی حامل ہے۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ کائنات تخلیق کرنے کے بعد خدا کی مصروفیت ختم ہو چکی ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ اب خدا ''بے کاری'' کے دن گزاری رہا ہے۔ یعنی اس کی تمام تر مصروفیات ختم ہو چکی ہیں۔ اسی نظم میں خدا کو ایک ملائے حزیں سے بھی ملایا گیا ہے جو افلاس کا شکار ہے:

اسی مینار کے سائے تلے کچھ یاد بھی ہے
اپنے بیکار خدا کی مانند
اونگھتا ہے کسی تاریک نہاں خانے میں
ایک افلاس کا مارا ہوا ملّائے حزیں
ایک عفریت ــــــ اُداس

تین سو سال کی ذلت کا نشاں
ایسی ذلت کہ نہیں جس کا مداوا کوئی![۱۰]

یہاں بھی راشد نے اپنے اختصاص کو برقرار رکھتے ہوئے نئی لفظیات خلق کی ہیں۔ بے کار خدا کی ترکیب کو غیر روایتی انداز میں برتا گیا ہے:

اس نظم کے حوالے سے جیلانی کامران کا کہنا ہے:

> خدا اور انسان کے حوالے سے یہ نظم اس لیے غور طلب ہے کہ اس میں خدا کے بارے میں ایک غیر روایتی ترکیب (اپنے بے کار خدا کی مانند) استعمال کی گئی ہے۔ ہمارے فکری ماحول میں اس نوع کی ترکیب کا کوئی جواز نہیں ہے۔ راشد نے بے کار خدا کو اٹھارہویں صدی کے یورپی افکار سے مستعار لیا ہے اور اسی طرح نظم کے واحد متکلم کے ہر شخص کی وضاحت بھی ممکن ہوتی ہے اور خیال گزرتا ہے کہ یہ شخص نئی روشنی کے تعلیمی اور علمی ماحول کا پروردہ ہے اور یورپی تصورِ الوہیت کا اپنی صورتِ حال پر اطلاق کرتے ہوئے انسان اور خدا کے مابین دوری اور بے تعلقی کو نمایاں کرتا ہے۔[۱۱]

راشد نے اپنی ایک خاص علامت ''زندگی'' کو بھی بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔ انھوں نے زندگی کو ایک ایسے بھیڑیے سے تشبیہ دی ہے جو نہ صرف درندہ ہے بل کہ خونیں بھی ہے۔ انھوں نے زندگی کے نشیب و فراز دیکھے تھے۔ لوگوں کے رویے، لوگوں کے معاملات، لوگوں کی منافقت سے انھوں نے بہت کچھ سیکھا۔ اس لیے وہ زندگی کو اتنی بھیانک اور خوفناک محسوس کیا۔

زندگی میرے لیے
ایک خونیں بھیڑیے سے کم نہیں؛[۱۲]

''سمندر'' ادبیات اور اساطیر کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اسے دنیا کی قدیم ترین علامات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ سمندر کے معنی و مفہوم پر غور کیا جائے تو اس کی مختلف پرتیں کھلتی چلی جائیں گی۔ یہ قدیم تہذیبوں میں موجود ہے۔ اس کی مختلف سطحیں اور کیفیات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ یہ گہرائی کی علامت بھی ہے، یہ اپنے اندر بہت سی چیزوں کو بھی سمو لیتا ہے۔ راشد نے اس علامت کو بڑی خوبصورتی سے برتا ہے:

اے سمندر،

پیکرِ شب، جسم، آوازیں
رگوں میں دوڑتا پھرتا لہو
پتھروں پر سے گزرتے
رقص کی خاطر اذاں دیتے گئے
اور میں، مرتے درختوں میں نہاں
سنتا رہا_____
اِن درختوں میں مرا اِک ہاتھ
عہدِ رفتہ کے سینے پہ ہے
دوسرا، اک شہرِ آیندہ میں ہے
جویائے راہ_____
شہر، جس میں آرزو کی مَے انڈیلی جائے گی
زندگی سے رنگ کھیلا جائے گا! [۱۳]

''سومنات'' راشد کی ایک مختلف مزاج کی نظم ہے جس میں راشد نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فرنگی سامراج کا برصغیر سے انخلا ہونے لگا ہے۔ لیکن وہ جاتے جاتے ہندو کو ایک نئے سامراج کے طور پر متعارف کرا رہا ہے۔ اس تناظر میں راشد نے ''سومنات'' کو علامت کے طور پر دیکھا ہے۔

نئے سرے سے غضب کی سج کر
عجوزۂ سومنات نکلی،
مگر ستم پیشۂ غزنوی
اپنے حجلۂ خاک میں ہے خنداں_____
وہ سوچتا ہے:
''بھری جوانی سہاگ لوٹا تھا میں نے اِس کا،

مگر مرا ہاتھ

اس کی روحِ عظیم پر بڑھ نہیں سکا تھا،[۱۴]

فرنگی سامراج کا اقتدار ختم ہو رہا ہے اور یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے بعد ایسے جانشین چھوڑ کر جائے تو حقیقی معنوں میں ان کی جانشینی کا حق ادا کریں۔ راشد نے عجوزۂ سومنات (سومنات کی بڑھیا) کو نئے سامراج کے طور پر دکھایا ہے۔

فتح محمد ملک رقم طراز ہیں:

پِٹتا ہوا فرنگی سامراج ہندوستان میں ایک نئے برہمنی سامراج کو اپنا جانشین بنانے میں سرگرمِ کار ہے۔ چناں چہ 'بردہ فروش افرنگ' برہمنیت کے دیو استبداد کو آزادی کی نیلم پری بنا کر پیش کرنے میں کوشاں ہے۔ سومنات کی بڑھیا اس نئے سامراج کا بڑا بلیغ استعارہ ہے۔ نظم صدیوں پر پھیلی ہوئی ہندو مسلم کش مکش کو بڑے ڈرامائی انداز میں فوکس میں لاتی ہے۔ فرنگی اس کش مکش کو ایک نیا عصری روپ دینے میں مصروف ہے۔[۱۵]

ریت جولا حاصلی کی تہی داماں کی علامت ہے، کلامِ راشد میں اس کے بہت سے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔

آ گئی ہے ریت دیواروں کے ساتھ

سارے دروازوں کے ساتھ

سرخ اینٹوں کی چھتوں پر رینگتی ہے

نیلی نیلی کھڑکیوں سے جھانکتی ہے

ریت ــــــ رُک جا

کھیل تہ کرلیں

سنہرے تاش کے پتوں سے

درزوں، روزنوں کو بند کرلیں

ریت

رُک جا![۱۶]

راشد کی ایک علامت ''گدھے'' بھی ہے۔جس کے پردے میں راشد نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جولوگ اپنے حقوق کے لیے نہیں لڑتے اور ہر ظلم وستم خاموشی سے سہہ لیتے ہیں وہ اُن گدھوں کی مانند ہیں جو مریل ہیں۔ راشد کی نظم ''مریل گدھے'' میں اس کی مثال ملاحظہ کریں کہ راشد نے بڑی فنی چابک دستی سے اس علامت کو استعمال کیا ہے:

گدھے بہت ہیں جہاں میں: (ماضی سے آنے والے
جہاز کا انتظار مثلاً_____)
(اور ایسے مثلاً میں ثاے ساکن!)
یہ اجتماعی حکایتیں، اِیتّیں کشاکش،
یہ داڑھیوں کا، یہ گیسوؤں کا ہجوم مثلاً_____
یہ اُلّوؤں کی، گدھوں کی عفت پہ نکتہ چینی_____
یہ بے سرے راگ ناقدوں کے_____
یہ بے یقینی_____
یہ ننگی رانیں یہ عشق بازی کی دھوم مثلاً_____
تمام مریل گدھے ہیں_____
(مریل گدھے نہیں کیا؟) [۱۷]

دیگر شاعروں کی طرح راشد کے ہاں رات ایک اہم علامت ہے۔ کلامِ راشد میں رات کے حوالے سے بہت سے اہم مصرعے مل جاتے ہیں جو قاری کو رات کی معنویت کو آشکار کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔نظم ''رات شیطانی گئی'' اس کی شاندار اور زندہ مثال ہے:

رات کے حجرے سے نکلو
اور اذانوں کی صدا سننے کی فرصت دو ہمیں_____
رات کے اِس آخری قطرے سے جو اُبھری ہیں

اُن بکھری اذانوں کی صدا_____

رات_____ شیطانی گئی تو کیا ہوا؟[۱۸]

راشد نے ایک اور نظم میں رات کی علامت کو کچھ اس انداز سے برتا ہے کہ رات غموں اور آہوں سے لبریز ہوتی ہے۔ یہ دکھ اور غم کائنات کے بھی ہیں اور حیات کے بھی اور محبت کے بھی۔ رات کے ایک عمدہ علامت کے طور پر استعمال کر کے راشد نے اپنی تخلیقی وارفتگی کا بھرپور ثبوت فراہم کر دیا ہے:

گہوارۂ آلامِ خلش ریز ہے یہ رات

اندوہِ فراواں سے جنوں خیز ہے یہ رات

نالوں کے تسلسل سے ہیں معمور فضائیں

سرد آہوں سے، گرم اشکوں سے لبریز ہے یہ رات[۱۹]

اس میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ کلامِ راشد کا ایک قابل ذکر حصہ رموز و علائم سے مزین ہے۔ راشد نے ان علامات کو فنی چابک دستی کے ساتھ برتا ہے۔ راشد کا یہ علامتی نظام اُس وسیع ثقافتی اور تہذیبی مطالعے کی دین ہے جو راشد نے پہلے پہل ہندوستان اور بعد ازاں ایران اور دیگر ممالک میں قیام کے دوران حاصل کیا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۱۸۹

2- J.A. Cuddon, *Literary Terms and Literary Theory* England, Penguin Books, Pg884, 885

۳۔ انیس اشفاق، ڈاکٹر، ''علامت کیا ہے۔ کیوں کر بنتی ہے؟'' مشمولہ علامت کے مباحث مرتبہ: اشتیاق احمد، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۹

۴۔ عنبرین منیر، وردِ خاک کا نغمہ خواں، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص ۱۰۱

۵۔ راشد، ن۔م، کلیاتِ راشد، لاہور، ماورا پبلشرز، سن ندارد، ص ۲۷۴، ۲۷۵

۶۔ ایضاً، ص ۲۹۹

۷۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر (مرتب) مابعد جدیدیت: اطلاقی جہات، ملتان، بیکن بکس، ۲۰۱۵ء،

ص۱۷۲

۸۔ راشد، ن۔م، کلیاتِ راشد، ص۲۹۲

۹۔ احتشام علی، جدید اردو نظم میں عصری حسیت، لاہور، سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص۶۶

۱۰۔ راشد، ن۔م، کلیاتِ راشد، ص۹۷

۱۱۔ جیلانی کامران، ''خدا، انسان اور ن۔م۔راشد''، مشمولہ نقدِ راشد (مرتبہ: ڈاکٹر سعادت سعید)، لاہور، جی سی یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، ص۹۶، ۹۷

۱۲۔ راشد، ن۔م، کلیاتِ راشد، ص۱۰۱

۱۳۔ ایضاً، ص۴۳۸

۱۴۔ ایضاً، ص۱۴۵ تا ۱۴۹

۱۵۔ ملک، فتح محمد، ن۔م۔راشد: شاعری اور سیاست، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص۶۵

۱۶۔ ایضاً، ص۴۸۴

۱۷۔ ایضاً، ص۴۶۲

۱۸۔ ایضاً، ص۵۰۳

۱۹۔ ایضاً، ص۲۰